ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر طالب حسین ہاشمی ❁

مثنوی بندگی نامہ اور پاکستانی فنون: تحقیقی و توضیحی تجزیہ

Masnavi *Bandgi Nama* and Pakistani Arts: A Research and Explanatory Analysis

By *Assistant Professor (Adjunct), Department of Urdu, My University, Islamabad.*

ABSTRACT

This research paper presents an analytical and explanatory study of Allama Iqbal's Masnavi *Bandagi Nama* in relation to the fine arts of Pakistan. *Bandagi Nama*, included as a part of *Zabur-e-Ajam*, is a profound poetic discourse highlighting the spiritual and intellectual decline of subjugated nations and their arts under slavery. Iqbal critically examines music, painting, sculpture, and architecture in the context of enslaved societies, arguing that art divorced from selfhood (khudi) becomes mere entertainment and loses its transformative power. This paper explores Iqbal's philosophical critique of arts produced under colonial and feudal suppression, and compares it with the current state of fine arts in Pakistan, where art is often detached from national identity and becomes an imitation of Western trends. The study concludes that Iqbal envisaged an art that reflects inner vitality, self-realisation, and cultural sovereignty. Therefore, understanding *Bandagi Nama's* critique is essential for reconstructing a national artistic vision aligned with Iqbal's thought.

Keywords: Allama Iqbal, Bandagi Nama, Fine Arts, Pakistani Art, Philosophy of Art, Cultural Identity Painting, Architecture.

مثنوی بندگی نامہ فارسی ادب کا وہ شاہکار ہے جو محض مذہبی یا اخلاقی نصیحتوں کا مجموعہ نہیں بلکہ انسانی

❁ اسسٹنٹ پروفیسر (ایڈجنکٹ)، شعبۂ اردو، مائے یونی ورسٹی، اسلام آباد

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

روح، فکر، وجدان اور اجتماعی زندگی کی گہرائیوں کا عمیق مطالعہ پیش کرتا ہے۔ اس مثنوی میں شاعر نے بندگی کی حقیقت، اس کی لذت، اس کے اسرار اور اس کے لازوال ثمرات کو نہایت فصیح، حکیمانہ اور وجدانی پیرائے میں بیان کیا ہے۔ بندگی نامہ کا مطالعہ محض کسی صوفیانہ خیال آرائی کا مطالعہ نہیں بلکہ یہ انسان کی داخلی دنیا کو تسخیر کر کے اُسے ایک منظم اور بامقصد خارجی زندگی سے جوڑنے کی کوشش ہے۔ دراصل اقبال کے فلسفۂ فن کا نچوڑ ہے، جس میں انھوں نے غلام قوموں کی مصوری، موسیقی، فنِ تعمیر اور ان کے فنونِ لطیفہ کی باطنی زبوں حالی کو نہایت گہرائی اور فکری رفعت کے ساتھ بے نقاب کیا ہے۔ ان کے نزدیک فن کا مقصد محض ذوقِ جمال کی تسکین نہیں بلکہ قومی حیات کی تعمیر اور روح کی تطہیر ہے۔ اقبال کا یہ فکری طرزِ احساس ان کے نظریۂ ادب برائے زندگی کی توسیع ہے جو کہ فنون کے ہر شعبے کو خودی کے تابع دیکھنا چاہتا ہے۔

زیرِ نظر مقالے میں مثنوی بندگی نامہ کا تحقیقی و توضیحی تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے، جس کے ذریعے اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ اقبال کے فن و فکر نے پاکستانی فنونِ لطیفہ کی فکری سمتوں کو کس حد تک متاثر کیا، اور آج کا پاکستانی فن کار اس پیغام سے کس قدر بہرہ ور ہو رہا ہے۔ اس مطالعے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ بندگی نامہ میں مندرج اقبال کے افکار کو محض تاریخی حوالہ نہ سمجھا جائے بلکہ ان کی موجودہ عصری معنویت کو بھی اجاگر کیا جائے تا کہ ہمارا فنی شعور محض تقلید پر اکتفا نہ کرے بلکہ تخلیق اور تجدید کا علمبردار بن سکے۔

علامہ اقبال کی مثنوی بندگی نامہ نہ صرف محکوم اقوام کی ذہنی، روحانی اور تہذیبی زبوں حالی کا آئینہ ہے بلکہ فنونِ لطیفہ جیسے موسیقی، مصوری اور فنِ تعمیر کے حوالے سے ایک عمیق فلسفیانہ تنقید بھی پیش کرتی ہے۔ اقبال کی نظر میں فن صرف حسن پرستی یا دل بہلانے کا سامان نہیں بلکہ یہ فرد اور قوم کی خودی، ان کی تخلیقی قوت اور اعلیٰ مقاصد کی ترجمانی کا ذریعہ ہونا چاہیے۔ افسوس کہ آج کا پاکستانی معاشرہ فنونِ لطیفہ کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھنے سے قاصر ہے، جس کی بنا پر ہمارے فنون مغرب کی نقالی یا محض تفریح کی سطح تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس تحقیقی و توضیحی تجزیے میں بندگی نامہ کے اس فکری پیغام کو دریافت کیا جائے گا کہ اقبال نے غلام قوموں کے فنونِ لطیفہ پر کیا سوالات اٹھائے اور ان سوالات کی روشنی میں موجودہ پاکستانی فنون کا کون سا پہلو توجہ چاہتا ہے۔ یوں یہ مطالعہ نہ صرف اقبال فہمی کا ایک اہم باب کھولے گا بلکہ فنونِ لطیفہ کے فکری ارتقا کے لیے بھی نئی جہتیں سامنے لائے گا۔

فن یا آرٹ دراصل اپنے خیال کو لطیف ہنرمندی اور مہارت کے ساتھ پیش کرنے کا نام ہے۔ یہ انسانی جذبات کو بیان کرنے اور دوسروں تک منتقل کرنے کا موثر وسیلہ ہے۔ آرٹ کا مقصد فقط جذبات کا اظہار ہی نہیں بلکہ ایسا تخلیقی عمل ہے جو دل پر اثر انداز ہو کر ایک نئی جمالیاتی تخلیق کو جنم دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فنونِ لطیفہ محض

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

فرد کے احساسات کے اظہار تک محدود نہیں رہتے بلکہ یہ کسی بھی معاشرے کی فنی، جمالیاتی اور ثقافتی ترقی کا سنگ میل سمجھے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مصوری، مجسمہ سازی، تصویر کشی، فنِ تعمیر، شاعری، موسیقی، تھیٹر، رقص اور فلم جیسے شعبے فنونِ لطیفہ کے دائرے میں شامل کیے جاتے ہیں۔

عام طور پر فنونِ لطیفہ کو چار بنیادی اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم زبان وادب پر مشتمل ہے۔ دوسری قسم میں تھیٹر، رقص، موسیقی، ڈراما اور فلم جیسے فنون شامل کیے جاتے ہیں۔ تیسری قسم سنگ تراشی اور مجسمہ سازی پر محیط ہے جبکہ چوتھی قسم میں آرائشی فنون کا احاطہ کیا جاتا ہے جن میں ٹیکسٹائل یعنی کپڑوں کے ڈیزائن، دستکاری کے نمونے، فنِ تعمیر، خطاطی اور مصوری وغیرہ شامل ہیں۔ (۱)

اقبال ادب وفنونِ لطیفہ میں فن برائے فن کی بجائے فن برائے زندگی کے قائل ہیں۔ ایک مضمون جناب رسالت مآب ﷺ کا ادبی تبصرہ میں شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> حقیقت یہ ہے کہ اصل شاعری تو جادوگری کی سی تاثیر رکھتی ہے، اور افسوس ہے ایسے شاعر پر جو اپنی قوم کی زندگی کے مصائب اور آزمائشوں میں دلکش ولولہ اور حوصلہ پیدا کرنے کے بجائے پسماندگی اور زوال کو صحت وقوت کا روپ دے کر پیش کرے اور یوں اپنی قوم کو تباہی کی راہ پر ڈال دے... شاعر کا اصل فرض تو یہ ہے کہ وہ قدرت کی ان لازوال توانائیوں اور حیات آفریں حقائق کو، جو اس پر منکشف ہوئے ہیں، دوسروں تک بھی پہنچائے، تاکہ قوم کی رگوں میں تازہ خون دوڑ جائے، نہ یہ کہ وہ ایسا ٹھگ بن جائے جو ان کی بچی کچھی قوت اور امید کو بھی لوٹ لے۔ (۲)

یہی سچ ہے کہ شاعری دراصل ایک ایسی تاثیر رکھتی ہے جو جادو کی طرح دل ودماغ کو مسخر کر لیتی ہے۔ افسوس ان شاعروں پر ہے جو اپنی قوم کے دکھوں اور آزمائشوں کو ایسا رنگ دے کر پیش کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں جوش، عزم اور ہمت پیدا ہونے کے بجائے ان کی کمزوریاں ہی مضبوط نظر آنے لگیں۔

علامہ اقبال نے فنونِ لطیفہ میں صرف شاعری تک خود کو محدود نہیں رکھا بلکہ اس کی دیگر شاخوں پر بھی اپنے خیالات پیش کیے ہیں۔ شاعری کی طرح وہ فنونِ لطیفہ کے ہر شعبے میں مقصدیت کے قائل نظر آتے ہیں۔ موسیقی، مصوری، تمثیل، فنِ تعمیر اور دیگر فنون کے بارے میں ان کی تحریروں میں یہی تصور غالب ہے کہ ہر فن پارہ خونِ جگر، اَن تھک محنت اور مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہونا چاہیے۔ اقبال کے نزدیک فن کا جو ہر محض دل بہلانے یا جمالیاتی لطف

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تک محدود نہیں بلکہ یہ قوم کی روح کو بیدار کرنے اور اسے ارتقا کی راہ دکھانے کا ذریعہ ہے۔

رنگ ہو یا خِشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود (۳)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق:

> اقبال کے نزدیک فن یا آرٹ کا سب سے بڑا وصف اس کی مقصدیت ہے۔ ان کے خیال میں فن کا اصل منصب یہ ہے کہ وہ انسان کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حصول میں رہنمائی فراہم کرے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب فن میں سوز وساز کی وہ کیفیت موجود ہو جو قوت وحیات کی ترجمان، خودی کی نگہبان اور زندگی کے پیغام کی حامل ہو۔ اقبال کے تصورفن میں ''ادب برائے ادب'' کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کے نزدیک فنونِ لطیفہ محض دل لگی یا وقتی تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ انسان کی شخصیت کی تعمیر، اس کے باطن کی تطہیر اور اس کی زندگی کے حسن ووقار کو دو چند کرنے کا معتبر وسیلہ ہیں۔ (۴)

اقبال نے ضربِ کلیم کے حصہ ادبیات وفنونِ لطیفہ میں ادب اور فن کے بارے میں اپنے خیالات کو نہایت واضح اور دوٹوک انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک ادب اور فنون کی سب سے بڑی ذمے داری یہ ہے کہ وہ انسانی زندگی کی تعمیر وتشکیل میں اپنا مثبت کردار ادا کریں۔ اقبال کے نزدیک محض ادب برائے ادب کا تصور ایک بے روح سرگرمی ہے۔ ان کا ایمان تھا کہ ادب اور فن کو انسان کی خودی، اس کے جوہرِ زندگی، اور اس کی روحانی واخلاقی بالیدگی کے تابع ہونا چاہیے۔

ان کے نزدیک ایسا ادب جو انسان کو کمزور بنادے، اس کے اندر احساس کمتری پیدا کردے یا اسے تقدیر پرستی کی دلدل میں دھکیل دے، وہ ادب نہیں بلکہ زہر ہے۔ اقبال کی فکر یہ تقاضا کرتی ہے کہ شاعر اور فنکار اپنے قلم اور فن کو اس طرح استعمال کریں کہ اس سے انسان کی خودی بیدار ہو، اس کے اندر عمل، حوصلے، غیرت اور عزت نفس کی آگ روشن ہو اور وہ اپنی زندگی کو ایک اعلیٰ نصب العین کے ساتھ جوڑ سکے۔

یوں ضربِ کلیم میں اقبال کا پیغام یہ ہے کہ فنون لطیفہ محض لطف وتسکین کا ذریعہ نہیں بلکہ قوموں کی تقدیر بدلنے کی قوت رکھتے ہیں بشرطے کہ وہ خودی کے آفاقی اصول کے تابع ہوں۔ اقبال کا خیال ہے کہ فنونِ لطیفہ کا کوئی بھی شعبہ اگر خودی سے خالی ہو تو وہ محض سطحی اور بے مقصد رہ جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ایسا فن جو خودی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کی حفاظت نہ کر سکے، اقوام اور انسانیت کے لیے زہرِ ہلاہل کی مانند ہے اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے یہ سب سے بڑا اور مہلک ترین خطرہ ثابت ہوسکتا ہے۔

اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسوں و افسانہ(۴ الف)

اگرچہ علامہ اقبال نے اپنی شاعری اور نثر میں متعدد مقامات پر فنونِ لطیفہ پر اظہارِ خیال فرمایا ہے، تاہم بندگی نامہ میں انھوں نے محکوم قوموں کے فنون، بالخصوص موسیقی، مصوری اور فنِ تعمیر پر جو جامع اور بصیرت افروز گفت گو کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ مثنوی فصاحت، بلاغت اور فنی خوبیوں کے اعتبار سے اقبال کے کسی بھی ادبی شہ پارے سے کم نہیں۔ بندگی نامہ جو زبورِ عجم کا تتمہ ہے، کل ۱۶۸ اشعار پر مشتمل ہے اور اسے چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔تمہید ۲۔ در بیانِ فنونِ لطیفہ وغلاماں ۳۔ مذہبِ غلاماں ۴۔ درفنِ تعمیرِ مردانِ آزاد

دوسرا باب مزید دو ذیلی حصوں موسیقی اور مصوری پر محیط ہے، یوں پوری نظم چار ابواب اور پانچ حصوں پر مشتمل نظر آتی ہے۔اقبال کی شاعری اور ان کی علمی، ادبی وسیاسی تحریروں کا غالب موضوع حریت وآزادی کی تمنا اور غلامی ومحکومی کی مذمت ہے۔ اگرچہ بندگی نامہ کا مرکزی مضمون غلامی کے آثار اور اس کے مہلک نتائج ہیں، مگر اس مثنوی میں انھوں نے نہایت گہرائی سے یہ حقیقت بھی واضح کی ہے کہ غلامی کسی قوم کے فنونِ لطیفہ پر کس طرح منفی اثرات ڈالتی ہے، ان کی روح کو کس طرح مسخ کر دیتی ہے، اور ان کے فن پارے کس طرح محض نمائشی خوشنمائی بن کر رہ جاتے ہیں۔اس موضوع پر اقبال کا اندازِ بیان، ان کی فکر کی گہرائی، اور طرزِ استدلال فارسی ادب میں بے مثال ہے۔ انھوں نے بندگی کی زنجیروں میں جکڑی قوموں کے فنون کو محض حسن ولطافت کا مظہر نہیں بلکہ ان کی زوال یافتہ روح کا آئینہ دار قرار دیا ہے، اور یہ تنقید نہ صرف ادبی اہمیت رکھتی ہے بلکہ ملت کی فکری وعملی بیداری کا سامان بھی فراہم کرتی ہے۔بقول اسلم انصاری:

> یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ دنیا کے ادب میں محکومی اور غلامی جیسے موضوع پر شاید ہی کوئی اور نظم یا مثنوی تخلیق کی گئی ہو۔ اسی بنا پر اس مثنوی کو اقبال کا ایک بے مثال اور منفرد فنی کارنامہ قرار دینا مبالغہ نہیں ہوگا۔(۵)

اس مقالے کا مقصد بندگی نامہ کی توضیح وتشریح نہیں بلکہ بندگی نامہ میں فنونِ لطیفہ پر بحث اور قیامِ پاکستان کے بعد انھی فنونِ لطیفہ کی صورت حال پر تنقید ہے، لہٰذا مقالے میں انھی فنونِ لطیفہ تک محدود رہا جائے گا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جن کا ذکر مذکورہ مثنوی میں ہوا ہے۔مثنوی کے دوسرے باب کا عنوان دربیانِ فنونِ لطیفہ غلامان ہے، جس میں اقبال نے محکوم قوموں کے فنونِ لطیفہ، خصوصاً موسیقی اور مصوری کے معنوی پہلوؤں اور ان کے باطنی مضمرات پر نہایت عمیق اور بصیرت افروز بحث کی ہے۔ انھوں نے وضاحت کی ہے کہ کس طرح غلام قوموں کی موسیقی محض غم وحسرت کا مرثیہ بن کر رہ جاتی ہے اور ان کی مصوری بھی زندگی کی اعلیٰ اقدار کی ترجمان بننے کے بجائے فقط ظاہری زیبائش تک محدود ہو جاتی ہے۔ اقبال نے ان فنون کے باطن میں چھپے ہوئے اس ذہنی اور روحانی جمود کو بے نقاب کیا ہے جو غلامی کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور پھر پوری قوم کی تخلیقی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتا ہے۔

اگر ہم تاریخ کا جائزہ لیں تو موسیقی کو اسلام کے ابتدائی ادوار میں دور خور اعتنا نہ سمجھا گیا تاہم بعد میں مسلمانوں نے فن موسیقی کے مختلف پہلوؤں پر علمی کتابیں لکھیں اور اس فن کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔نویں صدی عیسوی میں یعقوب الکندی نے موسیقی اور دوسرے علوم پر کتابیں لکھیں۔ اسی دور میں نصیرالدین طوسی اور شمس الدین محمود جیسے علما اور فلسفیوں نے جو کتابیں لکھیں ان میں موسیقی کے اصولوں پر کافی بحث کی گئی ہے۔ دسویں صدی عیسوی میں میں خلیفہ راضی باللہ کے دور میں ابونصر فارابی ایک جلیل القدر فلسفی اور اعلیٰ موسیقار تھے۔ فارابی نے قانونِ باجہ ایجاد کیا اور ابوجعفر محمد بن کرغی کے لیے ایک کتاب موسیقی الکبیر لکھی جس میں موسیقی پر خوب بحث کی ہے۔(۶) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے فن موسیقی پر بھی خوب توجہ دی۔شاعری اور موسیقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔اقبال ایک عظیم شاعر تھے، وہ سُر، سنگیت اور لے کا ایک عمدہ ذوق رکھتے تھے۔وہ اکثر اپنا کلام ترنم اور سُر کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔اقبال کا انداز جمال وجلال کا حسین امتزاج تھا۔اکثر اوقات آپ کی نظمیں سن کر لوگ رونے لگتے۔اقبال کی موسیقی سے وابستگی کے حوالے سے ڈاکٹر جاوید اقبال رقم طراز ہیں:

> والد کو گانے سننے کا شوق ورثے میں ملا تھا۔اپنی جوانی میں وہ ستار بھی بجایا کرتے تھے۔ جب کبھی فقیر جمال دین انھیں طاؤس سنا کر محظوظ کرتے تو وہ مجھے بھی پاس بٹھا لیتے تھے۔(۷)

مہاراجا کشن پرشاد کے نام ایک خط میں اقبال یوں تحریر فرماتے ہیں:

> لاہور میں گرمی کا زور ہے اور اس پر گوہر جان کا نغمہ جگر سوز، فضاے لاہور کی حدت پر مستزاد ہے۔(۸)

اسلام دینِ فطرت ہے۔اسلام میں سوقیانہ خیالات اور عامیانہ جذبات پر مبنی فن کی کوئی گنجائش نہیں۔وہ موسیقی جو پست جذبات کو برانگیختہ کرے، ایسی موسیقی کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں۔اقبال کو اس بات کا ملال تھا

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کہ مسلم موسیقی اجتماعی طور پر اپنی پہچان نہیں کرا سکی، مسلمان جس علاقے میں گئے اس علاقے کی موسیقی کو ہی اپنا لیا، لکھتے ہیں:

> جب مسلمان عرب کی سرزمین سے نکل کر دیگر اقوام کے ساتھ روابط میں داخل ہوئے تو صوفیا نے ان قوموں کی فطری نسوانیت، یعنی ان کی زائد جذباتیت اور نرم روی کو مدنظر رکھتے ہوئے قوالی اور موسیقی کو اپنے روحانی نظام کا جزو بنا لیا۔ ایران اور ہندوستان جیسے ممالک میں جذبات کی شدت اور فراوانی پائی جاتی ہے، اور صوفیا کے نزدیک ''حال'' انھی فاضل جذبات کے اخراج کا ایک وسیلہ ہے۔ صوفی سلسلوں میں قوالی کی شمولیت کا سبب بھی یہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی اپنی کوئی موسیقی نہیں۔ آج بھی تمام اسلامی ممالک میں مقامی موسیقی کے فنون ہی رائج ہیں۔ جہاں کہیں مسلمان گئے، وہاں کی موسیقی کو اپنا لیا اور کبھی اسلامی موسیقی تخلیق کرنے کی کوشش نہیں کی۔(۹)

بندگی نامہ کے بابِ موسیقی میں اقبال نے غلام قوموں کی موسیقی کا ذکر کرتے ہوئے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ غلام قوم کے نغمے نارِ حیات سے خالی ہوتے ہیں۔ چوں کہ ان میں زندگی کی حرارت نہیں ہوتی اسی لیے ان نغموں سے لوگ مایوسی اور پژمردگی کا شکار ہو جاتے ہیں پھر وہ بے عملی کا شکار ہو کر کارگہِ حیات سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اَمن وسکون کی تلاش میں زندگی کی کشاکش سے فرار حاصل کرتے ہیں، پھر زندگی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

مرگ ہا اندر فنون بندگی
من چہ گویم از فسون بندگی(۱۰)

اقبال غلاموں کے نغموں اور موسیقی سے پناہ مانگتے ہیں جن میں زندگی کے بجائے موت کا پیغام ہوتا ہے۔

الحذر ایں نغمہ موت است و بس
نیستی در کسوت صوت است و بس(۱۰)

اقبال کے نزدیک نغمہ سیلاب کی مانند تندرو ہونا چاہیے تا کہ دلوں کے اندر سے غموں کے لشکر نکال دے۔ وہ ایسے نغمے کے خواہاں ہیں، جس کی پرورش جنونِ عشق سے کی گئی ہو اور وہ خونِ دل کے اندر آگ بھر دے۔ ان کے نزدیک اگر نغمہ معنی سے خالی ہے تو وہ مردہ ہے، اُنھیں ہمیشہ اس بات کا ملال رہا کہ ہمارے موسیقار معنی کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

طرف توجہ نہیں دیتے بلکہ وہ معنی سے دور صرف صورت کے شیدا ہیں۔

مطرب ما جلوہ معنی ندید

دل بصورت بست و از معنی رمید(۱۱)

اقبال مصور نہ تھے مگر مصوری سے گہرا شغف رکھتے تھے۔حتیٰ کہ اپنے صاحب زادے جاوید اقبال کے ذوق مصوری کو بڑھانے کے لیے فرانس، اطالیہ اور انگلستان سے آرٹ کی کتابیں منگوا کر دیں۔(۱۲)

اقبال اس بات کا ادراک رکھتے تھے کہ شعر کے ابلاغ کو بڑھانے کے لیے تصویر سے عمدہ کام لیا جا سکتا ہے۔مصور مشرق عبدالرحمٰن چغتائی سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کی شاعری کو مصور کیا جائے۔

عبدالرحمٰن چغتائی لکھتے ہیں کہ اقبال نے فرمایا:

> عبدالرحمٰن! میری یہ خواہش ہے کہ میری کتاب جاوید نامہ مصوری کی شکل میں شائع ہو اور اسے مغرب کی دنیا تک پہنچایا جائے...اوپر فارسی اور نیچے انگریزی اور سامنے تمھاری تصویر۔دیکھنا اس کے کس قدر خوش گوار نتائج برآمد ہوں گے، دنیا دیکھے گی۔(۱۳)

اقبال مسلم آرٹ کو اسلامی تعلیمات سے مزین کر کے زمانے کے سامنے پیش کرنے کے خواہاں تھے۔ انھوں نے گاہے بہ گاہے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ضرار احمد کاظمی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

> میں اور علامہ یوسف علی صاحب نے مولانا حالی کی برسی کے موقعے پر آپ کی تخلیق کردہ ''آرٹ شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' دیکھی تھیں۔آپ محض فنِ مصوری میں اضافہ نہیں کر رہے بلکہ بحیثیتِ مصورِ اقبال، آپ پوری دنیاے اسلام کی ایک عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں۔(۱۴)

اقبال جب بندگی نامہ تحریر کر رہے تھے، انھی ایام میں انھیں عبدالرحمٰن چغتائی کے کلامِ غالب کے مصور ایڈیشن مرقعِ چغتائی کے لیے پیش لفظ لکھنے کی درخواست موصول ہوئی۔اس مقصد کے لیے اقبال نے اس دور کی مصوری کے نمونے منگوائے۔ چناں چہ انھوں نے عبدالرحمٰن چغتائی کو ایک خط میں لکھا:

> اگر آپ کے پاس ہندوستانی مصوروں کی بنائی ہوئی تصویروں کا کوئی مطبوعہ مجموعہ موجود ہو تو عنایت فرمائیں، چند روز کے لیے دے دیجیے تاکہ میں انھیں دیکھ سکوں۔اگر ایسا مجموعہ نہ مل سکے تو کم از کم چند معروف تصاویر کے نام ہی بتا دیجیے،

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

لیکن ان کے موضوعات کا ذکر بھی ضرور کیجیے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ ہندوستانی مصور عموماً کن موضوعات کو اپنے فن پاروں میں جگہ دیتے ہیں۔ خصوصاً بنگالی اسکول کی تصاویر کے نام چاہییے۔ علاوہ ازیں اگر مغل فنونِ مصوری پر کوئی کتاب دستیاب ہو تو وہ بھی لائیے۔(۱۵)

اقبال کے اس خط اور ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن چغتائی کے بیان سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بند گی نامہ کی تخلیق سے کچھ ہی پہلے اقبال نے برصغیر کی معاصر مصوری کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کی تھیں۔ اگرچہ بظاہر یہ معلومات مرقعِ چغتائی کے لیے پیش لفظ تحریر کرنے کی خاطر اکٹھی کی جا رہی تھیں تا کہ ایک مضبوط تاریخی وفنی تناظر فراہم ہو، تاہم اس تحقیق کا ایک اہم نتیجہ یہ نکلا کہ برصغیر کی مصوری کے مختلف موضوعات اور ان کا فکری ونفسیاتی پس منظر اقبال کے شعور میں اتر گیا، جسے انھوں نے بعد ازاں بند گی نامہ کے اشعار میں نہایت خوب صورتی سے بیان کیا۔(۱۶)

بند گی نامہ میں اقبال اس دور کے مصوروں کے موضوعات پر مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک ان تصاویر میں نہ آزری ہے اور نہ براہیمی ہے۔ مثلاً ایک تارک الدنیا راہب ہوس کا شکار دکھایا گیا ہے، ایک خوب صورت محبوب کو پنجرے میں بند پرندے کے سامنے دکھایا گیا ہے، ایک کوہستانی کندھوں پر لکڑیاں اٹھائے ہوئے ہے، ایک ایسا گانے والا جو دوسروں کے سروں اور نغموں میں مدہوش ہے، ایک بچہ اپنے بابا کی گردن پر سوار ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اقبال نے مذکورہ موضوعات کو افسون مرگ قرار دیا۔ اقبال نے کہا کہ ایسے موضوعات تو محض فطرت کی نقالی ہیں، ان تصاویر میں مصور کا تخیل دکھائی نہیں دیتا۔

نقش گر خود را چوبا فطرت سپرد
نقش او افگندہ و نقش خود سترد(۱۷)

اقبال اسی خیال کو بعد میں ضربِ کلیم میں بھی بیان کرتے ہیں:

فطرت کو دکھایا بھی ہے، دیکھا بھی ہے تونے
آئینۂ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی!(۱۸)

مسلمانوں کے فنِ مصوری کے بارے میں بھی اقبال مطمئن نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ہمارے مصور محض نقالی کر رہے، تصاویر میں خودی کا فقدان ہے، حسن تخیل دور دور تک نظر نہیں آتا اور اس کی بڑی وجہ غلامی کو قرار دیا کیوں کہ عہدِ غلامی میں فن کاروں کی تخلیقانہ صلاحیتیں ابھر کر سامنے نہیں آسکتیں۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اقبال نے ایک موقعے پر فرمایا تھا کہ فن کی زوال پذیری دراصل اقوام کے مجموعی زوال کا عکس ہوتی ہے۔ جب تک اللہ کسی قوم کو کوئی بڑا مقصد سونپتا ہے اور اسے قیادت وسیادت کے مرتبے پر برقرار رکھتا ہے، اس وقت تک اس قوم کا فن بھی زندہ، توانا اور مؤثر رہتا ہے، کیوں کہ وہ قوم خود زندگی کی حقیقت سے جڑی ہوتی ہے۔لیکن جیسے ہی کوئی قوم انحطاط کی طرف بڑھتی ہے، سب سے پہلا اثر اس کے فنونِ لطیفہ پر ظاہر ہوتا ہے۔فن کا زوال اس بات کی علامت ہے کہ وہ قوم حقیقت اور معنویت سے کٹ کر محض ظاہر پرستی، بناوٹ اور سطحی دلکشی تک محدود ہوگئی ہے۔ اس کا آرٹ خالی نمائش بن جاتا ہے، اس میں نہ زندگی کا پیغام رہتا ہے اور نہ دل وروح کو جھنجھوڑنے کی قوت باقی رہتی ہے۔ یہی دراصل فن کی زوال پذیری کی سب سے بڑی نشانی ہے کہ وہ قوم کے باطن سے کٹ کر محض دکھاوا بن جائے۔(۱۹)

جب اسلام کی سرحدیں ہر طرف پھیلیں تو مسلمانوں نے مساجد نہایت محبت سے تعمیر کیں، مساجد کی ان تعمیرات میں ایک بات مشترک تھی کہ ان میں ڈاٹ یا گنبد کو خاص اہمیت دی گئی تھی۔ راقم کا خیال ہے کہ شاید اس کی بڑی وجہ ہلال بھی ہے جس کی بنا پر اسلامی مہینے اور تہوار ترتیب دیے جاتے ہیں۔مسلم عمارتوں کی اس پہچان کی بنا پر کہ دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا کہ یہ مسلمانوں کی عمارتیں ہیں۔اس طرح فنِ تعمیر کی جڑیں اسلامی تعلیمات سے پھوٹتی نظر آتی ہیں۔اقبال اگر کسی صنف فنونِ لطیفہ سے مطمئن تھے تو وہ فنِ تعمیر ہے۔

چناں چہ مرقع چغتائی کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ’’جہاں تک اسلامی ثقافت کی تاریخ کا تعلق ہے، میرا یقین ہے کہ اگر فنِ تعمیر کی چند منفرد مثالوں کو چھوڑ دیا جائے تو اسلام کا آرٹ، خواہ وہ موسیقی ہو، مصوری ہو یا شاعری، ابھی اپنی اصل صورت میں پوری طرح ظہور پذیر ہونا باقی ہے۔‘‘(۲۰)

اقبال کو اگر چہ اسلامی فنِ تعمیر کے علاوہ کہیں ہیبت وجلال نظر آئے تو وہ اہرام مصر ہیں۔ایک محفل میں اقبال نے فرمایا:

> یہ ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ فنِ تعمیر کے سوا فنونِ لطیفہ کی کسی اور صنف میں ابھی تک اسلامی روح اپنی مکمل شان کے ساتھ جلوہ گر نہیں ہوئی۔ جو عظمت، جلال، اور روحانی کیفیت اسلامی فنِ تعمیر میں نمایاں نظر آتی ہے، وہ مجھے کسی اور فن میں دکھائی نہیں دی۔ انھوں نے بتایا کہ جب میں پچھلی مرتبہ یورپ سے واپسی پر مصر گیا تو وہاں مجھے قدیم فرعونوں کے مقابر دیکھنے کا موقع ملا۔ ان مقبروں میں بادشاہوں کے عظیم الشان مجسّمے نصب تھے۔انھیں دیکھ کر دل پر ایک

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عجب ہیبت اور قوت کا احساس طاری ہوا اور میں اس عظمت سے بے حد متاثر ہوا۔ اقبال کہتے ہیں کہ یہی احساسِ وقار اور جلال مجھے حضرت عمرؓ کی مسجد میں نظر آتا ہے، اور یہی شانِ استقامت اور طاقت دہلی کی قوت الاسلام مسجد میں بھی جھلکتی ہے۔ ان مقامات پر انسان کو فن کی وہ معراج نظر آتی ہے جو روح کو سربلند اور فکر کو وسیع تر کر دیتی ہے۔(۲۱)

بندگی نامہ میں اقبال نے قطب الدین ایبک اور شیر شاہ سوری کے کارناموں کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی عظمت کو اجاگر کیا ہے۔ ایبک کے کارناموں سے ان کی مراد دہلی کی مسجد قوت الاسلام ہے، جو قبلِ مغل دور کی اسلامی فنِ تعمیر کا نہایت اہم نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ اقبال لکھتے ہیں کہ اگر تجھ میں ہمت اور حوصلہ ہے تو اپنی آنکھیں کھول، اٹھ اور دیکھ کہ قطب الدین ایبک اور شیر شاہ سوری نے کیسے شاندار تعمیرات کے ذریعے اپنی قوت، بصیرت اور ذوقِ جمالیات کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے نہ صرف اپنے وجود کو ظاہر کیا بلکہ اپنی قوم کے وقار اور عظمت کو بھی مجسم کر دیا۔

خویش را از خود بروں آوردہ اند
این چنیں خود را تماشا کردہ اند(۲۲)

اقبال مزید فرماتے ہیں کہ ان عمارات کو تخلیق کرنے والوں نے اپنی ذات کے باطن کو باہر لا کر پتھر پر ثبت کیا ہے۔ انھوں نے اپنے وجود کی گہرائیوں کو فن کے قالب میں ڈھال کر یوں پیش کیا کہ ایک لمحہ دیکھنے والے کی نظر سے گزر کر پورے عہد کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ ایسی عظیم الشان تعمیرات کو دیکھ کر انسان کے دل و دماغ میں بھی کردار کی مضبوطی، حوصلے کی بلندی اور فکر کی وسعت پیدا ہوتی ہے، کیوں کہ یہ محض پتھروں کی عمارتیں نہیں بلکہ قوموں کے حوصلوں، ان کے عزم اور ان کے فن کی عظمت کی زندہ علامتیں ہیں۔

بندگی نامہ میں اقبال نے تاج محل کو بھرپور خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ انھوں نے اسے ''گوہرِ ناب'' یعنی خالص ترین موتی قرار دیا اور فرمایا کہ تاج محل محض ایک مقبرہ یا حسین عمارت نہیں بلکہ انسانی فنِ تعمیر، جمالیاتی ذوق، عشق، تخلیق اور عظمتِ انسانی کا وہ شاہکار ہے جو زمانے کی گردش کے باوجود ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اقبال کہتے ہیں کہ تاج محل میں گزارا ہوا ایک لمحہ ابدیت سے بھی زیادہ پائندہ ہے، کیوں کہ اس کے حسن و جمال کی تاثیر اور اس کا پیغام ہمیشہ کے لیے امر ہو چکا ہے۔ اقبال کے نزدیک تاج محل انسانی عظمت، محبت، فن اور تخلیقی صلاحیت کی مجسم داستان ہے، جو دیکھنے والے کو روحانی کیف عطا کرتی ہے اور اس کی سوچ کو نئی بلندیوں سے ہمکنار کرتی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے۔ تاہم وہ یہ بھی باور کراتے ہیں کہ فنونِ لطیفہ میں صرف دلبری یا جمال کافی نہیں، بلکہ قاہری، جلال اور عظمت کا عنصر بھی لازم ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ جلال و جمال کا حسین امتزاج صرف عشق کی بدولت وجود میں آتا ہے، اور یہ کامل امتزاج انھیں فنِ تعمیر میں ہی نظر آتا ہے، جہاں محبت کا جمال اور عظمت کا جلال ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں اور انسان کو اس کے تخلیقی نصب العین کی یاد دلاتے ہیں۔

دلبری بے قاہری جادوگری است
دلبری با قاہری پیغمبری است(۲۲)

جس طرح الفاظ کی خوب صورتی سے ادب اور شاعری جنم لیتی ہے، اسی طرح خوش نوازی سے موسیقی، رنگوں کی دل کشی سے مصوری اور جسمانی حرکات کی لطافت سے رقص وجود میں آتا ہے۔ ایک موسیقار سُروں کو جوڑ کر ایسی دھنیں تخلیق کرتا ہے جو دلوں کو مسحور کر دیتی ہیں، ایک سنگ تراش اپنے افکار کو پتھر میں ڈھال کر لازوال مجسّمے تخلیق کرتا ہے، جبکہ ایک مصور اپنے خیالات کو رنگوں اور لکیروں کی صورت میں کینوس پر اتار کر نئی زندگی بخشتا ہے۔

فنونِ لطیفہ انسانی فکر اور جذبات کو نہ صرف حسن و جمال کی دل کشی عطا کرتے ہیں بلکہ ان کی معنویت اور اثر آفرینی کو بھی گہرا کر دیتے ہیں۔ یہ فنون فرد کی داخلی دنیا کو وسعت اور وقار بخشنے کے ساتھ ساتھ پوری قوم کی اجتماعی زندگی پر بھی لازوال نقوش ثبت کرتے ہیں۔ کسی قوم کی تہذیب، اس کا ثقافتی مزاج، اس کی معاشرتی اقدار اور تمدنی عظمت دراصل فنونِ لطیفہ ہی کے وسیلے سے دنیا پر آشکار ہوتی ہے، اور انھی کے ذریعے اس قوم کی شناخت بین الاقوامی سطح پر مضبوطی سے قائم رہتی ہے۔ اسی سبب دانش مند اور زندہ قومیں فنونِ لطیفہ کی ترقی، بقا اور فروغ کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتی ہیں، کیوں کہ وہ بخوبی جانتی ہیں کہ ان کے یہ فنون ان کی روحانی، فکری اور جمالیاتی زندگی کے اصل ترجمان ہیں اور ان کا یہ قیمتی سرمایہ آنے والی نسلوں تک منتقل ہونا ہی ان کی علمی و تہذیبی حیات کی ضمانت ہے۔

اگر پاکستان کی بات کی جائے تو ابتدا ہی سے نجی سطح پر فنونِ لطیفہ کے فروغ کے لیے اچھی کاوشیں کی گئیں، لیکن قومی سطح پر کبھی کوئی جامع اور ٹھوس پالیسی مرتب نہ ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف ادوار میں فنونِ لطیفہ کو متعدد مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ قیامِ پاکستان کے بعد تقریباً پچیس برس تک اچھی فلمیں بنیں، معیاری موسیقی تخلیق ہوئی، عمدہ کہانیاں اور شاعری سامنے آئیں، لیکن پھر ایسا زوال آیا کہ ہم آج تک اس سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

> یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان میں زندگی کے ہر شعبے میں تخلیق کا عمل بتدریج زوال کا شکار ہو چکا ہے۔ آج نہ شاعری میں وہ معیار باقی رہا ہے، نہ کہانی میں وہ گہرائی نظر آتی ہے، نہ موسیقی میں وہ معنویت موجود ہے اور نہ

ہی فلم میں کوئی وقار بچا ہے۔ موسیقی اب بے معنی اور بے سُری چیخ پکار میں بدل چکی ہے جب کہ فلم، جو کبھی معاشرے کا حساس اور طاقتور آئینہ ہوا کرتی تھی، اب جاہلوں، بدمعاشوں اور منشیات فروش گروہوں کے ہاتھوں یرغمال بن چکی ہے۔ رہی مصوری، تو وہ محض اشرافیہ کی نمائش کا ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔ (۲۳)

فنونِ لطیفہ کے زوال کی ایک بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارا معاشرہ ابتدا ہی سے جاگیردارانہ نظام کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ اس طبقے نے کبھی بھی تخلیقی اور فنکارانہ صلاحیتوں کے حامل افراد کو وہ عزت و مقام نہیں دیا جس کے وہ حق دار تھے۔ ان کے نزدیک ادب، شاعری، مصوری، موسیقی، فلم اور رقص محض تفریح اور وقت گزاری کے ذرائع تھے، نہ کہ ایسے فنون جو کسی قوم کی فکری، اخلاقی اور تہذیبی بالیدگی میں مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

بدقسمتی سے یہی استحصالی اور تنگ نظر رویہ پاکستان میں مزید شدت اختیار کرتا چلا گیا۔ عوام اور فنون کے درمیان کبھی بھی سنجیدہ اور بامقصد تعلق قائم نہ ہونے دیا گیا۔ ہمارے معاشرے میں فنونِ لطیفہ کے بارے میں عمومی تاثر یہ پروان چڑھایا گیا کہ یہ دین و مذہب سے متصادم ہیں۔ متوسط طبقے کے گھروں میں بچوں کو ابتدا ہی سے فنونِ لطیفہ سے وابستہ شعبوں سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی ہے۔

انھیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ڈرائنگ، مصوری، شاعری، افسانہ نگاری اور موسیقی جیسی تخلیقی سرگرمیاں محض وقت کا ضیاع ہیں، جبکہ رقص اور اداکاری کو سراسر فحاشی قرار دیا جاتا ہے۔ مصوری کے بارے میں یہ عقیدہ پھیلایا گیا کہ قیامت کے دن مصور کو اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان ڈالنی ہوگی، اور مجسمہ سازی کو بت پرستی سے جوڑ دیا گیا۔ اسی طرح اداکاری، رقص اور موسیقی کو معاشرے میں ایسے پیشے سمجھا گیا جو شریف انسانوں کے نہیں بلکہ کنجروں کے پیشے ہیں۔ (۲۴)

ایسے حالات میں فنونِ لطیفہ کو فکرِ اقبال کے تقاضوں کے مطابق ہم آہنگ کرنا اگر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہے۔ کیوں کہ اقبال کے نزدیک فن کا مقصد محض تفریح یا جمال پرستی نہیں بلکہ قومی خودی، حریتِ فکر، اور روحانی بالیدگی کو زندہ کرنا ہے اور یہ مقصد اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب قوم فن کو اپنی تہذیبی زندگی کا لازمی حصہ سمجھے اور اسے عزت و وقار عطا کرے۔

فنونِ لطیفہ ہمیشہ وہاں پروان چڑھتے ہیں جہاں انھیں اظہار کی آزادی حاصل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی دنیا صدیوں تک فنونِ لطیفہ کا گہوارہ بنی رہی۔ وہاں فنون کو نہ صرف عوام کی پذیرائی ملی بلکہ ریاستی سرپرستی بھی حاصل رہی، جس کے نتیجے میں فنکاروں کو دولت، عزت اور شہرت سب کچھ نصیب ہوا۔ پاکستان میں اکثر فن کار علاج

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

معالجے کے لیے حکومت سے التماس کرتے نظر آتے ہیں۔اب ایسے فنکار اپنے فن کو خودی سے آشنا کر کے کیسے پیش کریں۔اگر پاکستان کی صورت حال دیکھی جائے تو پاکستان میں فنونِ لطیفہ پر بعض سیاسی ادوار بھی بری طرح اثر انداز ہوئے ہیں:

> پاکستان میں شعروشاعری اور ادب کا دامن تو ہمیشہ کسی حد تک وسیع رہا، اور موسیقی کا چلن بھی عام تھا، لیکن ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں فلم، ڈراما اور ادب سبھی زوال پذیر ہونے لگے۔نئی سوچ اور تخلیقی آزادی پر قدغن لگا دی گئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک بھر میں موسیقی کی اکیڈمیاں بند ہوتی گئیں۔اس خلا کو نعت خوانی نے پُر کیا، کیوں کہ یہ شعبہ زیادہ منافع بخش ثابت ہوا اور اس میں مالی امکانات بھی زیادہ تھے۔ یوں پاکستان کے کئی نامور گلوکاروں نے موسیقی کو خیر باد کہہ کر نعت خوانی کو اپنا لیا۔ اگرچہ اس کے لیے انھیں مبلغ کا روپ بھی اختیار کرنا پڑا، لیکن اس تبدیلی کے باوجود وہ اپنے فن کے ذریعے روزگار حاصل کرتے رہے اور یہ سلسلہ بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہا۔(۲۵)

اگر پاکستان میں موسیقی کی تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو ابتدا میں کلاسیکی موسیقی کو بے پناہ عروج حاصل ہوا۔ اس دور میں ملکہ موسیقی روشن آرا بیگم، اُستاد امانت علی خان، اُستاد فتح علی خان، اُستاد نزاکت علی خان، اُستاد سلامت علی خان، اُستاد شوکت حسین (طبلہ نواز)، اُستاد شریف پونچھ والے (ستار نواز)، مسعود رانا، سلیم رضا، اور شہنشاہِ غزل مہدی حسن جیسے عظیم فنکاروں نے اپنی لازوال فنکاری اور دلنشین آواز سے پاکستان کا نام دنیا بھر میں روشن کیا۔خواتین گلوکاروں میں ملکہ ترنم نور جہاں کی آواز کا جادو آج تک قائم ہے، جبکہ غزل گائیکی میں فریدہ خانم، اقبال بانو اور عابدہ پروین نے اپنی صوفیانہ اور کلاسیکی گائیکی سے ایسا منفرد مقام حاصل کیا جو کسی اور کے حصے میں نہ آیا۔اسی طرح پاکستان کی علاقائی موسیقی سندھی، بلوچی، پنجابی، اور پشتو نے بھی اپنی مخصوص لے اور دل کش دھنوں کے باعث عالمی سطح پر پذیرائی حاصل کی، جو ہمارے علاقائی ثقافتی ورثے کی اصل عکاس ہے۔

تاہم جدید دور کے نوجوان مغربی موسیقی سے شدید متاثر نظر آتے ہیں، خصوصاً مائیکل جیکسن کے گانوں اور اس کے مشہور بریک ڈانس نے ان پر گہرا اثر ڈالا۔موسیقی کے ماہرین کے مطابق اس نئے رجحان نے ہماری موسیقی کی اصل روح کو مجروح کرنا شروع کر دیا ہے۔ پاکستانی گلوکار اور موسیقار بھی اس جدیدیت کی دوڑ میں شامل ہو گئے اور جدید آلات موسیقی کا استعمال کرتے ہوئے ایسی دھنیں تخلیق کرنے لگے جو یا تو مغربی طرز کی ہو

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بہو نقل تھیں یا ان سے شدید متاثر۔

نتیجتاً ہماری کلاسیکی اور روایتی موسیقی بتدریج پس منظر میں چلی گئی اور موسیقی کی وہ باطنی گہرائی اور دلوں کو مسخر کر لینے والی معنویت مدھم پڑنے لگی، جو کبھی ہمارے فنونِ لطیفہ کا حقیقی حسن تھی۔ (۲۶)

اگر پاکستانی موسیقی میں اپنی کوئی پہچان ہے تو وہ عارفانہ کلام کی گائیکی اور قوالی ہے۔قوالی میں لوگوں پر ایک عجیب سا وجد آتے دیکھا گیا ہے اور ہماری اس صنفِ فنونِ لطیفہ نے مغرب کی جوان نسل کو بھی متاثر کیا ہے۔آج کل یورپ کے فن کار قوالی کی طرف راغب ہو رہے ہیں، یوٹیوب پر ایسی کئی وڈیوز دیکھی جا سکتی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جس مخصوص اسلامی رنگ کے اقبال خواہاں تھے وہ موسیقی میں نظر نہیں آتا اگر موسیقی سے کوئی تعمیری کام لیا گیا ہے تو وہ ۶۵ اور ۷۱ کی جنگوں کے درمیان گائے گئے ملی نغمے ہیں۔جنھوں نے جنگ کے دوران پاک فوج کے جوانوں میں ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا کیا۔

پاکستان میں مصوری کی بات کی جائے تو قیامِ پاکستان کے فوراً بعد ہمیں دو رنگ زیادہ نظر آتے ہیں۔ پہلا آبی رنگوں سے تیار کردہ مغل انداز مصوری جس کا بڑا نام عبد الرحمٰن چغتائی ہیں اور دوسرا رنگ پاکستانی تہذیب وثقافت پر مبنی تصاویر جن کا بڑا نام استاد اللہ بخش ہیں۔ بعد ازاں مغرب سے متاثر آئل پینٹنگز کا رجحان بھی نظر آتا ہے۔ بلکہ متاثر کے بجائے مغرب کی نقالی کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

خلیفہ عبدالحکیم رقم طراز ہیں:

> ہمارے ہاں کے مصوروں نے مغربی انداز واسلوب کی تقلید کو اپنا وتیرہ بنا لیا ہے۔ایک مغربی نقاد نے جب ان کے فن پارے دیکھے تو یہ کہہ کر سوال اٹھایا کہ یہ سب تو محض مغربی اسکولوں کی کامیاب یا ناکام نقلیں ہیں، تمھارا اپنا خالص اور منفرد پاکستانی آرٹ کہاں ہے؟ اصل حقیقت یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کو اپنی خودی، انفرادیت اور اپنی شناخت کا شعور نہ ہو، اور اس کا فن اس کی اپنی آرزوؤں، احساسات، تجربات اور مخصوص نقطۂ نظر کی حقیقی عکاسی نہ کرے، تب تک مصوری کبھی بھی زندگی کی اصل اور گہری ترجمان نہیں بن سکتی۔ (۲۷)

بلاشبہ پاکستانی مصوروں کی تصاویر دنیا کے مختلف میوزیم میں آویزاں ہیں۔تاہم اگر پاکستان کا اپنا کوئی مخصوص رنگ نظر آتا ہے تو وہ کیلی گرافی ہے۔کیلی گرافی کو مصورانہ انداز میں اپنا ایک مخصوص انداز دینے میں گُل جی ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔اقبال کی خواہش کے عین مطابق مصوری میں اگر کہیں جمال وجلال نظر آتا ہے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

تو وہ کیلی گرافی ہی ہے ورنہ مصوری کے دیگر میڈیم میں حیات اور خودی کہیں نظر نہیں آتی۔ پاکستانی مصوری کے حوالے سے اہم بات یہ ہے کہ کبھی بھی کسی مخصوص رجحان یا تحریک کے تحت مصوری نہیں کی گئی جس سے کوئی بڑے مقاصد کا حصول نظر آتا ہو۔ پاکستانی مصوروں کے موضوعات اگر حیات مرگ نہیں تو حیات آور اقدار کے حامل بھی نہیں۔اس وقت بھی پاکستانی مصوروں میں فطرت کی نقالی کا رجحان ہی ملتا ہے۔

بعض مصوروں نے بعض شعرا کے کلام کو مصور کرنے کی کوشش کی ہے جیسے چغتائی اور اسلم کمال نے اقبال کے بعض اشعار کو تصاویر کا روپ دیا ہے۔اسی طرح جمی انجینئر کو تو صاحب زادہ اقبال، جاوید اقبال نے اپنے گھر میں ٹھہرا کر جاوید نامہ مصور کرنے کی ترغیب دی مگر حقیقت یہی ہے کہ مذکورہ مصور کلامِ اقبال کے ابلاغ کو بڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

اب اگر پاکستان میں فنِ تعمیر کی بات کریں تو پاکستان کو مسلم تہذیب کی طرف سے باوقار طرز تعمیر ورثے میں ملا تھا اور ابتدا میں گنبد اور ڈاٹ والی کشادہ عمارتوں کی تعمیر کا رجحان رہا، بالخصوص مساجد اور بزرگان دین کے مقابر سے وہی جاہ وجلال ٹپکتا ہے جو مسلم فنِ تعمیر کا ورثہ تھا تاہم بعدازاں مغربی طرز تعمیر کی یلغار غالب آ گئی۔اب پاکستان میں بلند وبالا عمارات میں مسلم طرزِ تعمیر نظر نہیں آتا۔حتیٰ کہ شاہ فیصل مسجد کا انداز تعمیر بھی مغربی طرزِ تعمیر سے متاثر نظر آتا ہے۔اسلام آباد کے شاپنگ مال سٹورس ہوں یا گیگا مال کہیں اسلامی طرز تعمیر نظر نہیں آتا۔بحریہ ٹاؤن پاکستان میں جدید طرزِ تعمیر کی اہم مثال ہے۔بحریہ ٹاؤن کے ڈائریکٹر ملک ریاض کے انٹرویو میں راقم نے خود سنا ہے کہ ہم یورپ کے طرزِ تعمیر کو معمولی ردوبدل کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔حقیقت تو یہ ہے کہ ہم فنِ تعمیر میں بھی اپنا مخصوص انداز تعمیر کھو بیٹھے ہیں۔

موجودہ حالات کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ پاکستان میں فنونِ لطیفہ کے مختلف شعبوں کا مستقبل اتنا تابناک نظر نہیں آتا جتنا ترقی یافتہ ممالک میں دکھائی دیتا ہے۔آج کی دنیا میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فنونِ لطیفہ جیسے مصوری، مجسمہ سازی، موسیقی، رقص، ڈراما، فلم اور دیگر تخلیقی شعبوں کو نہ صرف شوق بلکہ پیشہ ورانہ کیریئر کے طور پر اپنا رہے ہیں۔ وہ اپنی فطری صلاحیتوں کو جدید ٹیکنالوجی، تخلیقی اپروچ اور عالمی رجحانات کے امتزاج سے نئے زاویے دے کر تاریخ میں اپنا نام رقم کر رہے ہیں۔ ان کے فن میں جدت، انفرادیت، اعلیٰ فنی مہارت اور فکری گہرائی دکھائی دیتی ہے۔

اس کے برعکس پاکستان میں فنونِ لطیفہ کو اب تک سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔ یہاں تخلیقی صلاحیت کو اکثر ضائع کر دیا جاتا ہے کیوں کہ تعلیمی اداروں، سرکاری پالیسیوں اور سماجی رویوں میں اس کی باقاعدہ حوصلہ افزائی موجود

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نہیں۔ ہر سال ہزاروں نوجوان جو ڈرائنگ، پینٹنگ، ڈیزائننگ، گلوکاری، رقص، موسیقی اور اداکاری جیسے فنون میں آگے بڑھنے کے خواب دیکھتے ہیں، محض اس لیے مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ انھیں ان شعبوں میں روزگار کے مواقع میسر نہیں آتے۔ مزید یہ کہ فنونِ لطیفہ کے بارے میں معاشرتی تنگ نظری، مذہبی شدت پسندی اور قدامت پسند سوچ نے بھی ان کے فروغ کو محدود کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت فنونِ لطیفہ کو تفریح تک محدود کرنے کے بجائے ان کے تعلیمی، ثقافتی، تہذیبی اور اخلاقی پہلوؤں پر توجہ دے۔ اس کے لیے جدید ٹیکنالوجی، تربیتی ادارے، اکیڈمیاں، تھیٹر ہالز، آرٹ گیلریز، میوزک اکیڈمیز اور فلم اسکولز قائم کیے جائیں، تاکہ نوجوان اپنی صلاحیتوں کو عالمی معیار کے مطابق پروان چڑھا سکیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فکری و ادبی مباحث بھی ضروری ہیں جن میں فنونِ لطیفہ کو علامہ اقبال کے افکار کی روشنی میں دیکھا جائے، تاکہ یہ فنون محض تفریح نہ رہیں بلکہ قوم کی فکری بیداری، اخلاقی تعمیر اور تہذیبی احیا کا ذریعہ بن سکیں۔

بندگی نامہ کا مطالعہ ہمیں یہ حقیقت باور کرواتا ہے کہ فنونِ لطیفہ محض دل لگی، تفریح یا جمالیاتی تسکین کا ذریعہ نہیں بلکہ قوموں کی فکری خودمختاری، روحانی بالیدگی اور تہذیبی احیا کے لیے ایک طاقتور وسیلہ ہیں۔ علامہ اقبال نے غلام قوموں کے فنونِ لطیفہ پر تنقید کرتے ہوئے واضح کیا کہ جب فن خودی اور مقاصدِ عالیہ سے عاری ہو جائے تو وہ فقط زوال اور انحطاط کا آئینہ بن جاتا ہے۔ آج پاکستان کے فنونِ لطیفہ کو اسی فکرِ اقبال کی روشنی میں اپنے حقیقی مقام کا تعین کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ فنونِ مغرب کی نقالی اور محض تفریح تک محدود ہو چکے ہیں، لازم ہے کہ اقبال کے تصورِ فن کو سامنے رکھتے ہوئے فنونِ لطیفہ کو قومی تشخص، فکری آزادی اور روحانی ارتقا کے استعارے کے طور پر زندہ کیا جائے۔

اس تحقیقی و توضیحی تجزیے کا ماحصل یہ ہے کہ بندگی نامہ محض ایک مثنوی نہیں بلکہ ایک فکری منشور ہے جو ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ فن وہی معتبر ہے جو قوم کی خودی کو بیدار کرے، اس کے خوابوں کو تعبیر بخشے اور اس کی شخصیت کو وقار عطا کرے۔ اگر پاکستانی معاشرہ فنونِ لطیفہ کی سمت کو اقبال کی فکر کے مطابق متعین کر لے تو نہ صرف ہمارے فنون کو نئی زندگی ملے گی بلکہ ہماری قومی شناخت بھی ایک بلندتر اور منفرد مقام پر فائز ہو سکے گی۔

حواشی

۱۔ عتیق انور راجا، فنونِ لطیفہ سے بہترین معاشرہ، مشمولہ نوائے وقت، لاہور، ۱۴/اکتوبر ۲۰۱۹ء

۲۔ علامہ اقبال، جنابِ رسالت مآب ﷺ کا ادبی تبصرہ مشمولہ مقالاتِ اقبال مرتبہ سیّد عبدالواحد معینی، (لاہور: آئینۂ ادب، ۱۹۶۳ء)، ص ۸۱، طبع اوّل

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن)، ص ۲۱۵
۴۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء)، ص ۳۴۲، طبع اوّل
الف۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص ۲۵۲
۵۔ ڈاکٹر اسلم انصاری، اقبال: عہد آفریں، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۱ء)، ص ۱۴۸
۶۔ ظہور الحق قاضی، معلم النغمات، (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامی، ۱۹۸۲ء)، ص ۴۲
۷۔ جاوید اقبال، اپنا گریباں چاک، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۲۳
۸۔ محمد عبداللہ قریشی، روایاتِ اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۷
۹۔ محمود نظامی، ملفوظاتِ اقبال، (لاہور: اشاعت منزل، ۱۹۴۹ء)، ص ۱۸۴
۱۰۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، س۔ن)، ص ۶۴۶
۱۱۔ ایضاً
۱۲۔ جاوید اقبال، زندہ رود، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۹ء)، ص ۹۹۲
۱۳۔ شیما مجید (مرتبہ)، مقالاتِ چغتائی، (اسلام آباد: ادارۂ ثقافت پاکستان، ۱۹۸۷ء)، ص ۲۷
۱۴۔ محمد عبداللہ قریشی، روایاتِ اقبال، ص ۱۴۷
۱۵۔ سیّد مظفر حسین برنی، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، (جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۶ء)، ص ۶۴۸
۱۶۔ ڈاکٹر اسلم انصاری، اقبال: عہد آفریں، ص ۱۴۸
۱۷۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۶۵۰
۱۸۔ ایضاً، کلیات اقبال اردو، ص ۵۸۶
۱۹۔ ابواللیث صدیقی، ملفوظاتِ اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء)، ص ۲۲۴
۲۰۔ علامہ اقبال، پیش لفظ مشمولہ مرقع چغتائی، (لاہور: ریون پرنٹنگ پریس، ۱۹۲۸ء)، ص ۲۴
۲۱۔ ڈاکٹر اسلم انصاری، اقبال: عہد آفریں، ص ۱۶۱
۲۲۔ علامہ اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، ص ۶۶۰
۲۳۔ سعید اختر ابراہیم، پاکستانی سماج اور فنونِ لطیفہ، مشمولہ نیا زمانہ لاہور، شمارہ ۱۴ جنوری ۲۰۱۶ء، دیکھیے: https://nyazamana.com/2016/01/saeed-akhtar-ibrahim-2/، مؤرخہ: ۲۰ رمئی ۲۰۲۵ء
۲۴۔ ایضاً
۲۵۔ ایضاً
۲۶۔ ظفر سجاد، فنِ موسیقی زوال کا شکار کیوں؟، مشمولہ روزنامہ ایکسپریس لاہور، ۲۶ رجنوری ۲۰۲۰ء
۲۸۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، فکرِ اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۳ء)، ص ۴۳۷

مآخذ

۱۔ اقبال، جاوید، اپنا گریباں چاک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء
۲۔ ____، زندہ رود، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۹ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۔ اقبال، علامہ، جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادبی تبصرہ مشمولہ مقالاتِ اقبال مرتبہ سیّد عبدالواحد معینی، لاہور: آئینۂ ادب، ۱۹۶۳ء، طبع اوّل

۴۔ ____، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن

۵۔ ____، کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، س۔ن

۶۔ ____، پیش لفظ مشمولہ مرقع چغتائی، لاہور: رپون پرنٹنگ پریس، ۱۹۲۸ء

۷۔ انصاری، اسلم، ڈاکٹر، اقبال: عہد آفریں، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۱ء

۸۔ برنی، مظفر حسین، سیّد، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جہلم: بک کارنر، ۲۰۱۶ء

۹۔ صدیقی، ابواللیث، ملفوظاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

۱۰۔ عبدالحکیم، خلیفہ، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۳ء

۱۱۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، اقبال سب کے لیے، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۲ء، طبع اوّل

۱۲۔ قاضی، ظہور الحق، معلم النغمات، لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامی، ۱۹۸۲ء

۱۳۔ قریشی، محمد عبداللہ، روایاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء

۱۴۔ مجید، شیما (مرتبہ)، مقالاتِ چغتائی، اسلام آباد: ادارۂ ثقافت پاکستان، ۱۹۸۷ء

۱۵۔ نظامی، محمود، ملفوظاتِ اقبال، لاہور: اشاعت منزل، ۱۹۴۹ء

رسائل و اخبارات

۱۔ روزنامہ ایکسپریس لاہور، ۲۶/جنوری ۲۰۲۰ء

۲۔ پندرہ روزہ ''کاتھولک نقیب''، لاہور، جلد ۸۷، شمارہ ۱۹، ۱۔۱۵، اکتوبر ۲۰۱۵ء

۳۔ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۱۴/۱ اکتوبر ۲۰۱۹ء

۴۔ ماہ نامہ نیاز مانہ لاہور، شمارہ ۱۴ جنوری ۲۰۱۶ء

Bibliography:

1. Abdul Hakim, Khalifa, Dr., *Fikr-e-Iqbal*, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2013.
2. Ansari, Aslam, *Dr. Iqbal: Ahd Afreen*, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 2011.
3. Burney, Muzaffar Hussain, Syed, *Kulliyat-e-Makateeb-e-Iqbal*, Jhelum: Book Corner, 2016.
4. Fatehpuri, Farman, Dr., *Iqbal Sab Ke Liye*, Lahore: Al-Waqar Publications, 2002.
5. Iqbal, Allama. *Janab-e-Risalat Ma'ab* (SAW) *ka Adabi Tabsira*, In *Maqalat-e-Iqbal*, edited by Syed Abdul Wahid Moeeni, Lahore: Aina-e-Adab, 1963.
6. _____, *Kulliyat-e-Iqbal Urdu*, Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, n.d.
7. _____, *Kulliyat-e-Iqbal Farsi*, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, n.d.
8. _____, *Foreword*, in *Muraqqa-e-Chughtai*, Lahore: Ripon Printing Press, 1928.
9. Iqbal, Javed, *Apna Gireban Chak*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2002.
10. _____, *Zinda Rood*, Lahore: Sheikh Ghulam Ali and Sons, 1989.
11. Majeed, Sheema (Ed.), *Maqalat-e-Chughtai*, Islamabad: Idara-e-Saqafat Pakistan, 1987.
12. Nizami, Mahmood, *Malfuzat-e-Iqbal*, Lahore: Ishaat Manzil, 1949.
13. Qazi, Zahoor-ul-Haq, *Mualim-un-Naghmat*, Lahore: Idara-e-Saqafat-e-Islami, 1982.
14. Qureshi, Muhammad Abdullah, *Riwayaat-e-Iqbal*, Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1977.

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

15. Siddiqui, Abul Lais, *Malfuzat-e-Iqbal,* Lahore: Iqbal Academy Pakistan, 1977.

Magazines and Newspapers:

1. Daily *Express*, Lahore, 26th January, 2020
2. Fortnightly *Catholic Naqeeb*, Lahore, Vol: 87, No. 19, 1-15th Oct. 2015
3. Daily *Nawa-i-Waqt*, Lahore, 14th Oct. 2019
4. Monthly *Naya Zamana*, Lahore, Issue 14, January, 2016